ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

محمد سہیل اقبال ❁
محمد ساجد اقبال ❁❁

’’می سوزم‘‘: تاریخ، عورت اور مزاحمت

Me-Sozam: History and The Gendered Strife

By *Muhammad Sohail Iqbal, PhD Scholar, Dept. of Urdu, International Islamic University, Islamabad.*

Muhammad Sajid Iqbal, Lecturer, Dept. of English, OPF Boys College, Islamabad.

ABSTRACT

The current research is a critical and textual analysis of Dr. Humaira Ashfaq's novel Me-Sozam. The novel along with being a work of literature also portrays the realistic picture of women in the cultural background of Khuzdar. The story reveals the revolutionary and rebellious struggle of a poetess Rabia who comes from the ruling class of the area. In the social set-ups of the world, matriarchy exists only in traces; rather the variegated views of societies, through the lens of history reveal the suppressed status of women. On the other hand, women dignity and decorous fight against the odds is also a traceable reality historically. The lives of the Queen of Jhansi, Razia Sultana, and Fatima Sughra are a few of the examples and one similar character is princess Rabia who is the central character of Dr Humaira Ashfaq's novel. The female protagonist despite being a member of royal family becomes the mouthpiece of the crushed multitudes against the unwarranted customs and the exploitation of the ruling class. Dr Humaira Ashfaq has artistically woven a real tragic event into a piece of literary work.

Keywords: Dr Humaira Ishfaq, Novel, Me-Sozam, Princess Rabia, Khuzar, History, Women, Exploitation, Gendered Strife.

❁ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبۂ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد
❁❁ لیکچرر، شعبۂ انگریزی، او پی ایف بوائز کالج، اسلام آباد

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

"می سوزم" تاریخ ہے یا داستان یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے۔لیکن ناول میں داستان سرائی کا پہلو نمایاں ہے۔ قدیم زمانوں میں جب لوگ تاریخ کے نام سے ناواقف تھے لیکن کہانیاں اور داستانیں سنانے کی روایت موجود تھی ان داستانوں میں تاریخ کا پہلو ضرور موجود تھا۔انھی ابتدائی کہانیوں اور داستانوں نے تاریخ کی راہیں متعین کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔لیکن ایسا بھی ہوا ہے کہ جب کسی تاریخی واقعہ کو ہزاروں سال گزر چکے ہوں تو بہت سے واقعات انسانی حافظہ سے محو ہو جاتے ہیں اور بعض دفعہ تو ان کی سندی حیثیت بھی برقرار نہیں رہتی۔ادب کی دنیا میں بہت سے فن پارے ایسے ہیں جن پر فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ تاریخی واقعات ہیں یا صرف داستان۔مہا بھارت، رامائن، ایلیڈ اور اوڈیسی اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔ماضی میں ہونے والی قدیم جنگوں پر بھی یہ بات صادق آتی ہے۔"می سوزم" میں ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے تاریخ کے ایک قدیم واقعہ کو دریافت کر کے، واقعات کی چھان پھٹک کرنے کے بعد ناول کا موضوع بنایا ہے۔"می سوزم" تاریخ اور ناول دونوں کے فن کا امتزاج ہے۔فکشن میں تاریخی مطالعہ کی اہمیت کے بارے میں فرخ ندیم نے اپنی کتاب "فکشن، کلامیہ اور ثقافتی مکانیت" میں لکھا ہے:

> جب کوئی سنجیدہ فکشن نگار تاریخ کی گلیوں میں ان لوگوں کی تصویر کشی کرتا ہے جن کے گرد حادثات و واقعات گردش کرتے ہیں تو ایک ہاتھ میں تاریخ اور دوسرے میں فکشن تھامے رکھتا ہے۔(۱)

"می سوزم" ثقافتی گھٹن کا استعارہ ہے جس میں ثقافتی گھٹن کو خضدار کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ کے طور پر بیان کیا ہے۔ایک شاندار تہذیب جو ہر طرح کی جمالیاتی حس سے مالا مال تھی، جہاں عورتیں بھی فنون لطیفہ کی جمالیات سے واقف تھیں لیکن اس کے بعد شہزادہ حارث جیسا حکمران قابض ہوتا ہے جو ثقافتی اقدار کو اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھتا ہے اور ثقافتی اقدار کو اپنے ذاتی مفاد کے لیے استعمال کرتا ہے کہ عورت کے لیے سب سے بڑی چیز شرم و حیا ہے۔اس کے لیے شاعری کرنا بری بات ہے عوام کو اخلاقیات کی تعلیم میں قید کر دیا جاتا ہے۔اس طرح سارا معاشرہ انسانی سوچ اور غیر سائنسی رویوں کی دلدل میں دھنس جاتا ہے۔ثقافتی گھٹن کے تمام اسباب اور اس کے اثرات "می سوزم" میں بیان کیے گئے ہیں۔امیر کعب کی بیٹی شہزادی رابعہ (جو اپنے حسن کی وجہ سے "زین العرب" کہلائی) کا قصہ تو تاریخی تھا اور قدیم ماضی کا حصہ بھی جو عوام کی یادداشتوں سے محو ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق کا اس سب کو از سر نو تیار کرنا، شواہد کی تلاش و جمع، بلوچی سماج کی ثقافت، سیاست اور عورت کی مزاحمت کی گم شدہ جزئیہ کی دریافت اور بادشاہ کا اپنی رعایا پر ظلم و ستم کا منظر نامہ بڑی مہارت سے بیان کیا ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے شہزادی رابعہ کا قصہ اس دور کے سیاق و سباق کے پس منظر میں تخلیق کر کے ایک تاریخی، سماجی اور سیاسی تاریخ سازی کا کام سرانجام دیا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ آسان کام نہیں ہے۔ کیوں کہ اس میں سب سے پہلے ناول نگار جس دور کی تاریخ کو اپنے ناول کا موضوع بناتا ہے اُس کو تاریخ کا مکمل ریکارڈ حاصل کرنا ہوتا ہے جس کے مکمل ہونے کی یقین دہانی کرانا مشکل ہو جاتا ہے۔ زمانے کے حادثات بہت سے تاریخی شواہد کو خس و شاک کی طرح بہا دیتے یا ضائع کر دیتے ہیں۔ ۲۰۰۳ء میں جس طرح امریکا نے عراق کے کتب خانوں کو آنچ میں تبدیل کیا ہے، اب اس کا ریکارڈ دوبارہ سے جمع کرنا مشکل ہو گا اور بہت کچھ تبدیل بھی ہو جائے گا۔ اس بنا پر لفظ تاریخ بہت مبہم ہو جاتا ہے:

> تاریخ کے متعلق جو بات سب سے پہلے کہنی چاہیے یہ ہے کہ لفظ تاریخ مبہم اور غیر واضح ہے۔ اس کے مفہوم دو ہیں جو ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں۔ اس کا پہلا مطلب ہے زمانہ ماضی اور جو کچھ اس میں گزرا ہے۔ اس کا دوسرا مطلب ہے زمانہ ماضی کا ریکارڈ۔[(۲)]

مشہور فلسفی مورخ بینی ڈیٹو کروچے (Benedetto Croce) کے نظریہ کے مطابق "می سوزم" کی تاریخ اور سیاست بھی معاصرانہ ہے۔ لیکن "می سوزم" کی بنیاد سچ پر استوار ہے۔ روسی اور فرانسیسی ادیبوں کی نگارشات نے اپنے اپنے معاشروں میں جابر حکمرانوں کے استحصالی رویوں کو بے نقاب کیا ہے۔ روسو (Rousseau)، مانٹیسکیو (Montesquieu)، کارل مارکس (Karl Marx) نے جس طرح معاشی غارت گروں کے جو جرائم پیش کیے ہیں ویسے ہی "می سوزم" میں شہزادہ حارث کے معاشی استحصالی رویے کو بیان کیا ہے۔ اس لحاظ سے "می سوزم" کی اہمیت ایسی ہی ہے جیسے دوستوفسکی (Dostoevsky) کے فکشن کی۔ شہزادہ حارث بلخ و خضدار کے فکر و فن، سیاست اور تہذیب کی روایت کو جڑ سے ختم کر دیتا ہے۔ امیر کعب کے دور حکمرانی میں خضدار، سنگلاخ پہاڑوں میں بسا ایک چھوٹا سا گھاٹی نما شہر تھا جو تجارت و ہنر کا گہوارہ تھا۔ امیر کعب کی نگرانی میں علم و ادب کے کئی مکتب قائم ہوئے، جن میں علم و آگہی کے متلاشی دور دور سے اپنی علمی تسکین کے لیے آتے۔ پردہ دار خواتین بھی اپنے چہروں اور جسموں کو لمبی لمبی چادروں میں لپیٹ کر مشاعروں میں شریک ہوتی تھیں۔ جن کے اشعار میں فارسی اور عربی طرز کے لہجوں اور رنگوں کی جھلک موجود تھی:

> کسی زمانے میں بلخ میں ہزاروں مدرسے اور مدرس ہوا کرتے تھے۔ سیکڑوں خرفہ ہوئے تھے جہاں عبادت و ریاضت ہوتی تھی اور عالی مقام خانقاہیں ہوتی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

> تھیں۔ کسی وقت بلخ اپنی گود میں ہزاروں شاعروں اور ادیبوں کی پرورش کرتا تھا اور حکما و صفحا کی تربیت کرتا تھا۔ بوعلی نے اسی خاک سے علم کی دنیا میں قد بلند کیا تھا اور دنیا والوں کی نبض ہاتھ میں لی تھی۔ آج طب و حکمت کی دنیا اس کے ورثہ اور آثار پر فخر کرتی ہے۔ رودکی نے اسی جگہ القا و الہام پایا تھا اور رابعہ کے ساتھ ہم کلام ہوا تھا۔ (۳)

ابن خلدون (Ibn Khaldun) امام غزالی(Imam Ghazali) کانٹ(Kant)، ٹائن بی (Toynbee) جیسے مورخین نے قوموں کے عروج و زوال کی داستانوں کے اسباب پر نظریات رقم کیے ہیں۔ "می سوزم" میں بھی ایک پوری تہذیب و ثقافت کے زوال کی داستان اور اس کی موت کے اسباب کو بیان کیا ہے اور اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے کہ کسی معاشرے یا خطے کی تباہی کیونکر ممکن ہو جاتی ہے۔ اس کا ایک سبب معاشی پسماندگی بھی ہے اور کسی معاشرے میں معاشی پسماندگی اس وقت جنم لیتی ہے جب شہزادہ حارث جیسا حکمران سلطنت کے تمام وسائل پر قبضہ کر لیتا ہے اپنے اقتدار کے مفاد کی خاطر عوام کو اپنی مرضی کے تابع کر کے عوام کو تمام انسانی خواہشات، خوشی اور جبلی لذتوں سے محروم کر دیتا ہے۔ شہزادہ حارث لوگوں کو زبردستی فوج میں بھرتی کرتا ہے۔ وہ طاقت کے نشے میں چور ہے۔ پرانے وفا داروں اور عورتوں کا قتل اور استحصال کرتا ہے۔ محل میں کمسن بچیوں کو جنسی تسکین کے لیے لایا جاتا ہے۔ بہن کو آواز اٹھانے پر سنگین نتائج کی دھمکی دیتا ہے۔ پہرے داروں کو اپنی وفاداری کی مناسبت سے متعین کرتا ہے۔ لوگوں کو اپنے پیاروں سے ملنے سے روکا جاتا ہے۔ جو سلطنت علم و ادب کا گہوارہ تھی اب جنگ و جدل کا میدان بن جاتی ہے۔ لیکن کسی بھی مستحکم معاشرے کے لیے عقل فہم و فراست اور درست حکمت عملی ضروری ہے۔ سلطنت خضدار کی سیاست اس خوبی سے عاری تھی جس کے لیے شہزادی رابعہ کو مزاحمت کرنا پڑی۔ "می سوزم" میں ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے خضدار میں ادبی سرگرمیوں اور مزاحمت کو ساتھ ساتھ ایسی مہارت سے تخلیق کیا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی الگ کر کے مطالعہ نہیں کیا جا سکتا جو ادب میں مزاحمت اور مزاحمت میں ادب کے اسباب کے تعلق کو معنی خیز بناتا ہے۔ مسلمانوں کی ایسی سلطنت کے زوال پر آغا افتخار حسین بڑے مدبرانہ انداز سے روشنی ڈالتے ہیں:

> مسلمانوں کی سلطنت کے عروج و زوال کی تاریخ کا مطالعہ ہمارے لیے بصیرت افروز بھی ہوسکتا ہے اور سبق آموز بھی لیکن اب ضرورت یہ ہے کہ یہ مطالعہ محض روایتی انداز سے نہ کیا جائے، یعنی سلطنتوں کے عروج و زوال کی داستانوں کو محض

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

بادشاہوں اور اُن کی فوجوں کی کامیابی اور ناکامی کی تاریخ کے مطالعے تک ہی محدود نہ رکھا جائے۔ بلکہ اُن اسباب کی تلاش بھی کی جائے جن کے نتیجے میں یہ سلطنتیں اُبھریں اور پھر زوال آمادہ ہوگئیں۔(۴)

''می سوزم'' کا مورخ ہم عصر تاریخی واقعات کو لکھنے پر معمور ہے کسی بھی کردار کا کوئی واقع اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔کسی بھی مورخ کے لیے تاریخ لکھنا مشکل ہوتا ہے کیوں کہ مورخ بعض دفعہ اپنی ذاتی پسند ناپسند کو بھی تاریخ کا حصہ بنا دیتے ہیں جس کی وجہ سے تاریخ قابل اعتراض بن جاتی ہے۔تاریخ کا المیہ ہے کہ یہ تعصب سے لکھی جاتی ہے اور عقیدت سے پڑھی جاتی ہے یا عقیدت سے لکھی جاتی ہے اور تعصب سے پڑھی جاتی ہے۔لیکن ''می سوزم'' کا مورخ اس عیب اور تعصب سے پاک ہے۔وہ اپنی ہم عصر تاریخ کو بطور ایک علم لکھ رہا ہے۔مورخ کی اس تاریخ کو New Historicism کی اصطلاح پر بھی پرکھا جائے تو درست ہوگی۔''می سوزم'' میں جو تاریخ مورخ لکھ رہا ہے وہ خضدار کی تاریخ کو اہم معنی دے رہا ہے۔جس میں اختلافات کی گنجائش نہیں ہے۔واقعات کا ایک تسلسل ہے۔لوگوں کی زندگیوں کا مطالعہ ہے۔سلطنت کے عروج و زوال کا قصہ ہے۔''می سوزم'' کے مورخ نے تاریخ کو جذبات سے بالاتر ہو کر لکھا ہے جو بہت حد تک مورخ کے لیے مشکل ہوتا ہے۔مورخ واقعات کی ترتیب سے حقیقت کو تلاش کرتا ہے:

واقعات کو روایت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ماضی میں جو کچھ ہوا ہے وہ بے ترتیبی کی حالت میں ہے،واقعات کا کوئی تسلسل اور ربط نظر نہیں آتا،اب مورخ کا کام یہ ہوتا ہے کہ اول وہ ان واقعات کے صحیح ہونے کا تعین کرے،پھر انھیں ترتیب کے ساتھ سنہ وار بیان کرے،تاریخ کو اس طرح سے ترتیب دینے سے واقعہ کی اہمیت ہو جاتی ہے،کیوں کہ دیکھا جائے تو ایک واقعہ بذات خود کچھ نہیں ہوتا،لیکن جب واقعات کو ملا کر ان کی ایک زنجیر بنائی جائے تو اس سے نہ صرف تسلسل پیدا ہوتا ہے بلکہ ایک مفہوم بھی پیدا ہوتا ہے اور یہی مفہوم تاریخ کو معنویت اور افادیت دیتا ہے۔(۵)

اس میں شک نہیں کہ اگر سماجی ڈھانچہ مضبوط نہ ہو تو ہر فرد کا ماضی،حال اور مستقبل الگ الگ ہوتا ہے۔ ایسے سماج میں ہر فرد کی حقیقت کے الگ الگ معنی ہوتے ہیں۔خضدار میں ہر کردار کی حقیقت کے کچھ اور معنی ہیں۔ سالم،میوہ خان،شاہ بانو،امام خاتون،اللہ وسائی،گل رعنا زندگی کو دیکھنے کا نظریہ اور ہے جبکہ حارث،

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

بیکتاش، وفا خان کا سماجی نظریہ کے کچھ اور معنی نکلتے ہیں۔شہزادی رابعہ خضدار کو ادب، ثقافت، مذہب اور انسانیت کی بنیاد پر ایک مضبوط سلطنت چاہتی ہے جہاں صرف امن ہو، عوام کی زندگیاں دکھوں سے پاک ہوں۔جس قوم کی تاریخ میں علم و ادب، ثقافت اور سیاست کو مسخ کر دیا جاتا ہے وہ قوم زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہتی۔بقول ایرک فرام (Eric Fromm) "سماجی کردار یا تو سیمنٹ کی طرح مضبوطی سے اس ڈھانچہ کو جوڑے رکھتا ہے یا کچھ مخصوص حالات میں ڈائنامائیٹ کی طرح عمل کر کے سماجی ڈھانچہ کو توڑ پھوڑ دیتا ہے۔"[۶] خضدار جو علم و ادب کا گہوارہ تھی صرف حارث کے کردار نے پورے خضدار کا سماجی ڈھانچہ یکسر تباہ و برباد کر دیا۔سالم، میوہ خان، شاہ بانو، امام خاتون، گل رعنا، ایسے کردار ہیں جو ریاست کے جبر کا شکار ہیں، ریاستی اور معاشرتی جبر کی بنا پر ایسے کردار ایسے کاموں پر معمور کیے جاتے ہیں جو ریاستی اداروں کے بنائے گئے احکامات، قوانین، روایات، رسم و رواج، اور ایسے ایسے حکومتی ادارے تشکیل کیے جاتے ہیں جو سالم اور وفا خان جیسے کرداروں کو ہمیشہ جبر کا شکار بناتی ہیں اور اس کو برداشت کرنے کا عادی بھی۔یرگن ہیبر ماس (Jurgen Habermas) ایسے کرداروں کے لیے سماجی تنقیدی علوم کو اہم گردانتا ہے جس سے انسان صحیح سمت میں آزادی کی نعمت سے سرخرو ہوسکتا ہے۔یہ سماجی تنقید ہی انسان میں انفرادی اور اجتمائی مزاحمت کا سبب بنتی ہے۔

شہزادہ حارث ایرک فرام (Eric Fromm) کے نظریے کا حامل کردار ہے جس کے مطابق انسان میں نفسانفسی، خودغرضی، لالچ، جبر، ظلم، غیر اخلاقی اور لوگوں کی زندگیوں کو زندہ درگور کرنے پر معمور ہوتی ہے۔شہزادہ حارث انسانیت سے ہٹ کر غیر انسانی رویوں کو اپناتا ہے جس سے دوسرے لوگوں کی زندگیوں میں بھی دکھ بھرا جا رہا ہے۔سالم جیسے کردار جس نے کبھی اپنے بھیڑ کو چھڑی تک نہیں ماری، زبردستی فوج میں بھرتی کر لیا جاتا ہے۔شہزادہ حارث کے ظلم کی کہانی طویل ہے۔ایسے جابر حکمران کی بیدادگری سماج میں مزاحمت کو جنم دیتی ہے کہ ظلم کو آخر کس لیے برداشت کریں؟۔اس کے برعکس شہزادی رابعہ کا کردار ہربرٹ مارکوزے (Herbert Marcuse) کے نظریے کے مطابق اعلیٰ و ارفع کردار ثابت ہوتا ہے۔جو ادب، مذہب اور انسانیت کے اصولوں کے تحت سلطنت خضدار میں تبدیلی لانا چاہتی ہے۔کیوں کہ ہربرٹ مارکوزے انفرادیت کو بیان کرنے کے لیے علم و ادب اور فنون کے دوسرے شعبہ ہائے زندگی کو استعمال میں لا کر انسانی رویے اور سماج میں تبدیلی کا حامی ہے۔شہزادی رابعہ معیار زندگی کی قائل نہیں بلکہ معیار انسانیت کو بڑھانے پر زور دیتی ہے۔اس بنا پر شہزادی رابعہ کا کردار بنیادی طور پر انسان پروری (Philanthropist) کا پیکر ہے جس کو نفسیات کی اصطلاح میں Humanistic Psychology کہا جاتا ہے۔شہزادی رابعہ اور شہزادہ حارث کے مابین مکالمہ مذکورہ بحث کی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

دلیل ہے جس میں رابعہ کی مزاحمتی آواز موجود ہے:

والد محترم کی مہر میرے حوالے کر دیں تا کہ میں ملکی خزانے کا استعمال کر کے اپنی اور اپنی سلطنت کی حفاظت کر سکوں۔

رابعہ: صرف حفاظت ہی کیوں۔ بہتری کیوں نہیں؟ رابعہ نے لہجے میں قطعیت لاتے ہوئے کہا۔

میرے بھائی! والد کی زندگی میں یہ چھوٹی سی سلطنت علم وادب کا گہوارہ تھی، لیکن اب سامان حرب اس طرح بھر دیئے جیسے ہم دنیا کو فتح کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہوں۔

حارث: رابعہ میں اتنی بات جانتا ہوں کہ طاقت اس وقت دنیا کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ لیکن کوشش کریں کہ آپ سلطنت کے معاملات میں دخل اندازی نہ کریں۔

رابعہ: میں نے کوئی دخل اندازی نہیں کی۔ میں صرف ایک تجویز دے رہی ہوں کہ کسی طرح ہم سب جنگوں کی تباہیوں اور خون ریزیوں سے بچ جائیں۔ رابعہ نے لہجے کی نرمی برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

حارث: طاقت ور ہمیشہ بچتے ہیں اور کمزور کچلے جاتے ہیں۔ یہی فطرت کا قانون ہے۔ اس لیے ہمیں زندہ رہنے کے لیے طاقتور ہونا پڑتا ہے۔ ورنہ دشمن کے گھوڑے ہمارے سینوں پر دوڑائے جاتے ہیں۔

رابعہ: گستاخی معاف عزیز برادر! گھوڑے صرف سپاہیوں کے سینے پر دوڑائے جاتے ہیں، لاشیں ویرانوں میں چیل کوؤں کا ایندھن صرف عام آدمی بنتے ہیں لیکن طاقت کے نشے میں بدمست بادشاہ دور بیٹھے پیغام رسانی کے ذریعے جنگ کے جاری یا ملتوی کرنے کا حکم نامے بھیجتے رہتے ہیں۔[۷]

شہزادی رابعہ کے لیے ایک طرف اپنے والد امیر کعب کی گرتی ہوئی صحت اور دوسری طرف ریاست کے گرد وپیش میں بغاوتوں کا سلسلہ باعث پریشانی بنا ہوا ہے۔ رابعہ یہ سمجھتی ہے کہ شہزادہ حارث کو ریاست کے معاملات کی کچھ سمجھ بوجھ نہیں ہے۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ حارث کو تمام حالات کا بخوبی علم تھا۔ شہزادی رابعہ کا حارث

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کے متعلق یہ کہنا کہ "کیا انسان کے لیے انواع و اقسام کے یہ ذائقے کم ہیں کہ وہ جیتے جاگتے پنچھیوں کو لذتِ دہن کی خاطر شکار کر لیتا ہے۔"(۸) اس بات سے شہزادہ حارث کی شخصیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ جملہ ہر دور کے جابر، لالچی اور اقتدار سے محروم حکمرانوں کی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ اس جملے کو عدسہ بنا کر تیسری دنیا کے حکمرانوں کا جائزہ لیا جائے تو شاید تیسری دنیا کے عوام ایسے حکمرانوں سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔ ہمیشہ کے لیے نام نہاد متاثر کن نعروں کی سیاست کا کلچر ختم کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ رابعہ ان ہی انواع و اقسام کے پھل اور رنگوں کو دیکھ کر خالق کی صناعی کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کسی بھی دور کی سیاسی شخصیت کو پرکھنے کے لیے یہ جملے سائنسی عدسہ سے کم نہیں ہیں۔ تاریخ اور سیاست کے معاملات میں ایسے ہی اخلاقی، سماجی، تاریخی اور سیاسی اختلافات موجود ہوتے ہیں جو ساری قوم پر اثر انداز ہوتے ہیں اور مزاحمت کا سبب بنتے ہیں۔ "می سوزم" رابعہ شہزادی کی مزاحمت کی ہی سوانح ہے جو تمام خضدار پر اثر انداز ہوتی ہے۔ شہزادی رابعہ ایک ایسی مزاحمت کی علامت بن جاتی ہیں جو دنیا بھر کی عورتوں کو لافانی خودی کا درس دیتی ہیں۔ شہزادی رابعہ کی مزاحمت کو ثقافتی گھٹن کے خلاف جنگ بھی کہا جا سکتا ہے جو اس بات کا اشارہ ہے کہ پسماندہ ممالک میں عورتوں کے حوالے سے سوچ کو بدلنا ہوگا۔ عصر حاضر میں بہت سی عورتوں نے اپنے حقوق کی جنگ لڑی ہے، اپنے آپ کو ایک مکمل انسانیت کی دلیل ثابت کیا ہے۔ اس سب کے باوجود تاریخ میں عورت کو نظر انداز کیا گیا ہے جو تاریخ کا ایک بڑا نقص ثابت ہوتا ہے۔ شہزادی رابعہ کا نام بھی تاریخ سے غائب تھا جو مزاحمت کی پہچان ہے۔ اس بنا پر شہزادی رابعہ کا کردار نسائی مزاحمت کے رجحان کی شاندار علامت ہے۔ عصر حاضر میں بھی عورتوں کو بہت سے مسائل کا سامنا ہے:

> عصر حاضر کے خد و خال کی تشکیل میں نسائیت کے رجحان کو شامل کرنا بھی لازم ہوگا۔ مغرب اور مشرق میں عورت ہمیشہ سے جبر و استبداد اور استحصال کا شکار رہی ہے۔ عورت کی غلامی دنیا سے غلامی کی لعنت ختم ہونے کے بعد بھی برقرار رہی ہے۔ اس پر کیے جانے والے مظالم پر پردہ ڈالنے کے لیے اسے بظاہر خاندان کے ایک فرد مثلاً ماں، بیٹی اور بہن کے باعزت نام دیئے گئے ہیں لیکن ہر کردار کو مردوں نے اپنی عزت اور وقار کا مسئلہ بنا لیا۔ اس کے حصول کی خاطر اور اس کے نام پر قتل و غارت گری کی گئی اور خود اسے ایک انسان کے بجائے ایک بے جان، بے جان روح جائیداد یا املاک سے زیادہ حیثیت نہ دی گئی۔ وہ ہمیشہ مال سمجھی گئی، ایسے ہی جیسے اگلے وقتوں میں غلام مال ہوتے تھے یا زمین مال ہوتی ہے۔(۹)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

زندہ رہنا اور اچھی زندگی گزارنا ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔لیکن جب حارث جیسے حکمران انسانوں کے اس فطری حق میں رکاوٹ بنتے ہیں تو قدرت نے انسان کے اندر ایک موثر مزاحمتی نظام بھی انسٹال کر رکھا ہے۔لیکن اس مزاحمتی نظام کو فعال بنانے کے لیے شہزادی رابعہ کی جیسی قوت فیصلہ بھی ضروری ہے۔ جب حارث خضدار کے عوام کو مجبور کرتا ہے کہ وہ صرف حارث کی خواہشات کے مطابق سوچیں اور اپنی تمام خواہشات کو ترک کر دیں تو یہ عمل لوگوں کو مزاحمت پر اکساتا ہے جس کو دنیا کا ہر حکمران بغاوت کا نام دیتا ہے۔ خضدار میں مردوں کی بالا دستی اور ہر ادارے پر اجارہ داری کے خلاف مزاحمت بھی "می سوزم" کا موضوع ہے۔خضدار پر مردوں کی حکومت ہے جس کی وجہ سے پورا بلخ و خضدار جنگ و جدل اور خونی بادلوں میں گھرا ہوا ہے اور ایسے میں ایک لڑکی رابعہ، مردوں کے پیدا کردہ خونی حالات کو امن سے ٹالنے کی بات کرتی ہیں۔ ماضی کی تاریخ اور موجودہ دور میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ڈاکٹر فاطمہ حسن "فیمنزم اور پاکستانی عورت" میں لکھتی ہیں:

> پدر شاہی نظام مردوں کی معاشرتی بالا دستی کو کہتے ہیں جس کی بنیاد سماج، خاندان، سیاست، معیشت اور مذہب پر مردوں کی اجارہ داری ہے۔اس پورے نظام کی تاریخ ہے جس کی جڑیں مختلف سماجوں، مروجہ رسوم و روایات اور مختلف ادوار تک پھیلی ہوئی ہیں ۱۷ ویں صدی کے زمینی حقائق کچھ اور تھے۔اس کے بعد آنے والی صدیوں کے مختلف اور ۱۲ ویں صدی کے اپنے حالات ہیں جس نے عورتوں کی جدو جہد کو مختلف سانچوں میں ڈھالا ہے۔(۱۰)

"می سوزم" میں جو معاشرہ اور تہذیب بیان کی گئی ہے اس کو مارکسی نکتہ نظر سے تین طبقات میں تقسیم کر کے سمجھا جا سکتا ہے۔اس میں ایک شخص شہزادہ حارث ہے جس کو زندگی کی ہر سہولت اور خوشی میسر ہے۔ دوسرا طبقہ متوسط ہے اور تیسرا طبقہ غریب، محنت کش اور مظلوم لوگوں کا ہے۔شہزادی رابعہ کی شخصیت ایسی ہے جو غریب عوام کی بے بسی اور بدنصیبی کو بھی دیکھ رہی ہے اور دوسری طرف اپنے بھائی شہزادہ حارث کی آرام دہ اور پُر تعیش زندگی کا علم بھی ہے اور اس پر افسوس بھی ہے اور خواہش کرتی ہے کہ عام لوگ بھی تعیش بھری زندگی کا لطف اٹھا سکیں۔ جب عوام کے حقوق غصب کیے جاتے ہیں تو معاشرے میں ظلم و ستم، ناانصافیاں، محرومیاں اور قتل و غارت گری عام ہو جاتی ہے۔عام انسان کی ساری زندگی سخت محنت کی نذر ہو جاتی ہے اور اس کے باوجود بھی ان کی زندگی میں خوشی کا کوئی لمحہ نہیں آتا۔"ذرائع پیداوار پر حکمران قابض ہو جاتا ہے۔ میکاولی (Machiavelli) کے سیاسی نظریات کو فروغ ملتا ہے۔"می سوزم" ان تمام جمالیاتی دشمن عناصر کا بیان ہے۔ امیر کعب کے دربار میں چہ

مگوئیاں ہورہی ہیں کہ کچھ ہونے والا ہے۔لیکن ایک پوری دستاویزی ثبوت موجود تھا کہ کس طرح اجناس کے نرخوں میں ردو بدل کیا گیا تھا اور اس سازش میں امیر کعب کا بیٹا شہزادہ حارث بھی شامل ہے۔لیکن امیر کعب کی کمزور صحت اور شہزادہ حارث کی بڑھتی ہوئی طاقت کے سامنے سب وزرا پر خاموشی کی مہر ثبت تھی۔ اقتدار، معیشت، لالچ، خوف، ڈر بعض دفعہ ضمیر کی آوازوں کو گُنگ کر دیتے ہیں۔ سلطنت خضدار میں جبر، ظالمانہ نظام اور عوام کی بے بسی سے مضطرب ہو کر شہزادی رابعہ مزاحمت پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔لیکن شہزادی رابعہ تلوار چلائے بغیر امن وسکون قائم کرنا چاہتی ہیں یہ اس کا خواب اور خواہش ہے۔ والد کی وفات کے بعد شہزادی رابعہ فخر خضدار سپاہ سالار بیکتاش کو بیرونی سازش اور خونی بادلوں کو امن سے ٹالنے کے لیے بیکتاش کو خط ارسال کرتی ہیں جس سے شہزادی رابعہ کی سیرت اور پُرامن مزاحمت دونوں ظاہر ہوتی ہیں:

> فخر بلخ وخضدار، بیکتاش!
>
> میرے لیے زندگی کی سب سے بڑی خواہش امن اور سکون ہے لیکن تم ایک سپہ سالار اور بہادر تلوار باز ہو۔ میں خواہش کا حق رکھتی ہوں کہ دنیا اقتدار کے لیے بیرونی حملوں سے لے کر اندرونی سازشوں تک مصروف ہے۔
>
> کیا تم امن قائم رکھنے کے لیے تلوار کے بغیر کوئی کوشش کر سکتے ہو۔ میں نے تمہاری آنکھوں میں دانش کی چمک دیکھی ہے مجھے یقین ہے کہ تم اس وقت بلخ و خضدار کے آسمان پر منڈلاتے خونی بادلوں کو ٹالنے کی کوئی صورت نکال سکتے ہو۔[(۱۱)]

قوموں کی تاریخ میں عورتوں کے اعلیٰ مقام و مرتبہ کو وہ اہمیت نہیں دی جس کی وہ حق دار ہیں۔قوموں کی تاریخ اور سیاست میں عورت ہمیشہ مجبور و بے کس بیان کی گئی ہے۔ اُسے کسی نہ کسی صورت میں ہمیشہ مردوں کے تابع رہنا پڑا ہے۔ مردوں کے ظلم کو سہنا پڑا ہے۔ اور یہ تصور رائج کیا گیا کہ حکمرانی صرف مردوں کا کام ہے۔لیکن سیاسی تاریخ میں عورتوں نے اس تصور کو غلط ثابت کیا ہے۔"می سوزم" میں شہزادی رابعہ کا کردار بھی اسی بات کی علامت ہے۔جس کو اپنی حیثیت کا پتا چلتا ہے کہ وہ کسی کسان کی بیٹی نہیں بلکہ ایک شہزادی ہے تو مزاحمت کی توانا آواز بن کر ابھرتی ہیں۔سلطنت خضدار میں شہزادی رابعہ کی مزاحمت انفرادی ردِعمل ہے۔سلطنت میں ظلم وستم کا ایسا موسم ہے کہ رابعہ کی مزاحمت فطری ہو جاتی ہے۔اس لیے "می سوزم" میں شہزادی رابعہ کی مزاحمت اس کے ضمیر کی آواز بن جاتی ہے جو حارث کے ظلم اور ناانصافیوں سے پیدا ہوتی ہے اور اس کا تاریخی جواب بھی مل جاتا ہے کہ ادب میں مزاحمت کیسے پیدا ہوتی ہے:

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

لیکن والد نے مجھے یہ اختیار اسی وقت دے دیا تھا جب آپ کے اور عبدالستار خان کے حوالے سے مالی معاملات میں غبن کے الزامات کا سلسلہ جاری تھا۔لیکن میرا خدا جانتا ہے کہ میں نے اس معاملے میں محض اس حد تک حصہ لیا کہ رعایا کو نقصان نہ پہنچے۔ان سے بے جا مالیہ لے کر سلطنت کو بدنام کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی اس وقت ابا حضور نے آپ کو شکار پر جانے کو کہا اور یہاں کے تمام تفتیشی معاملات میرے سپرد کر دیئے۔لیکن میں نے خود کسی حد تک آپ کی ناگواری کے ڈر سے دور رکھا۔لیکن اب بات دولت سے آگے نکل کر لوگوں کی جانوں اور عزتوں سے کھلواڑ تک جا پہنچی ہے۔اس لیے میرا خدا مجھے کبھی معاف نہ فرمائے گا اگر میں نے ظلم کے خلاف آواز بلند نہ کی۔(۱۲)

شہزادی رابعہ، حارث کے ظلم و بیداد، سیاسی جبر،خواتین کی حالت زار، بردہ فروشی کی رسم،جنگوں کے کلچر، اسباب،قتل و غارت گری، سیاسی کشمکش،عدم استحکام،استحصالی قوت، سیاسی نظام کی تنزلی،سزاؤں کا خوف،نفرت و حقارت،مایوسی،انسانی تعلقات،سماجی صورت حال،زنجیر غلامی،سلبی اور انفعالی صورت حال،تنہائی اور بے چہرگی کے خلاف احتجاجی رویہ اور مزاحمت کا نام ہے۔جب انسان کو ایک مخصوص دائرے تک محدود کر دیا جائے،حق کی آواز کو دبانے کی کوشش کی جائے تو سیاسی جبر سے نجات کی یہی خواہش مزاحمت بن جاتی ہے۔شہزادی رابعہ کی مزاحمت پاکیزہ ہے جس میں انسانیت کی بھلائی کا جذبہ کارفرما ہے، اس لیے ایسی مزاحمت تاریخ میں بے محابا نہیں ہوتی۔ مزاحمت میں جب شدت آتی ہے تو کرداروں کے افعال اکثر ششدر کر دیتے ہیں لیکن رابعہ کی سیرت،افعال اور باتوں سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔رابعہ اور بلخ کی عوام کے اندر یہ مزاحمت حارث کی برائیوں اور ظلم کا مقابلہ کرنے کے لیے ابھرتی ہے۔ایسے مزاحمتی کردار تاریخ اور ادب میں بھلائے نہیں بھولتے ہیں۔ادب میں احتجاجی اور مزاحمتی رویے کی اہمیت کے بارے میں ڈاکٹر ارتضیٰ کریم لکھتے ہیں:

احتجاج یا مزاحمت انسانی سرشت میں داخل ہے۔سماج کے اندر پائی جانے والی ناہمواریوں، بے انصافیوں اور جور وظلم کے تئیں ہونے والا ہر ردعمل احتجاج ہے جو ادب اور فن کے وسیلے سے بھی ہمارے سامنے آتا ہے۔ادب میں مزاحمت کی موجودگی بعض اوقات ادب پارے کی جاذبیت اور آفاقیت کا سبب بنتی ہے کیوں کہ اس کے اندر لاکھوں ایسے مجبور اور لاچار انسانوں کی آواز پوشیدہ ہوتی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

> ہے جو کسی اور وسیلے سے اپنی آواز بلند کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔احتجاجی یا مزاحمتی ادب نہ صرف ایسے لوگوں کی نمائندگی کرتا ہے بلکہ انھیں زندہ رہنے اور جدو جہد کرنے کا حوصلہ بھی دیتا ہے۔(۱۳)

مزاحمت کا رویہ ہر دور اور ہر سماج میں موجود رہا ہے۔قدیم دور سے عصر حاضر تک دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں مزاحمت موجود رہی ہے۔ پدرسری نظام میں مردوں کو ہی اہمیت حاصل ہوتی ہے جس میں عورت کے لیے صرف شرم وحیا اور اپنے شوہروں کی اطاعت اور فرمابرداری باقی رہتی ہے۔پسماندہ ممالک میں تہذیب کی پاسداری کرنا صرف عورتوں کی ذمے داری سمجھا جاتا ہے ایسی صورت حال میں جب کسی کو ایسے جھوٹ اور پروپیگنڈہ کا پتا چلتا ہے تو مزاحمت کا جذبہ اور قوت کا آنا لازم ہو جاتا ہے اس کے بعد عورت کا بولنے اور سوچنے کا عمل جاری ہو جاتا ہے۔"می سوزم" میں بھی ایسی ہی مزاحمت موجود ہے کہ خضدار کے عوام پر ظلم وستم،نا انصافیاں، سماجی بد عنوانیاں اور بدکاری کا رستہ کون روکے گا؟۔ اب بلخ و خضدار کی سلطنت میں ہر شخص مزاحمت کی آواز بن جاتا ہے۔ عام لوگوں میں ظلم کو روکنے کے لیے بہادری، شجاعت اور ظالم دشمنوں کو قتل کرنا بڑی شان بنا کر بیان کیا جاتا ہے۔اس کے بعد شہروں اور بستیوں میں خون ریزی ہوتی ہے۔امن پسند لوگوں کا بھی قتل عام ہوتا ہے۔ جنگ میں صرف فوجی ہی قتل نہیں ہوتے بلکہ عورتیں اور چھوٹے بچے تک بھی اس قتل و غارت گری کا نشانہ بنتے ہیں۔تاریخ گواہ ہے کہ فتح کے بعد بادشاہوں نے انسانوں کی کھوپڑیوں کے مینار بھی بنائے ہیں۔شہزادی رابعہ جو امن ومحبت کا پیکر تھی،علم ادب کی دلدادہ تھی،تصوف پر عمل پیرا تھیں، انسانیت دوستی کی علمبردار آخر اپنے تن من دھن کی بازی لگانے کو تیار ہوتی ہیں۔وفا خان کو خط لکھا جاتا ہے جس میں شہزادی رابعہ اپنی مزاحمت کا اعلان کرتی ہیں۔"می سوزم" میں خضداری سماج دشمن حارث جیسے جابر حکمران کے خلاف شہزادی رابعہ کی مزاحمت انسانی وقار کی عظمت ہے:

> وفا خان! تم میرے بھائی ہو،تمہاری ایمان داری اور وفا داری نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔تم واقعی اسم با مسمی ہو۔لیکن ایک بات جو میں نے پہلے بھی زبان پر آتے آتے روک لی وہ ایک گھناؤنی سازش کا حصہ تھی۔جس کا بدقسمتی سے تمہارے والد اور میرے بھائی حصہ تھے۔اس لیے تم اپنے باپ کے غم کو غلط کرنے کی کوشش کرو،تمھیں خدا نے بڑے کام کے لیے چن لیا ہے۔دیکھو ان سپاہیوں کی آنکھوں میں تمہارے سگے رشتوں سے بڑھ کر تمہارے لیے پیار ہے۔تم نے سلطنتیں تو نہیں جیتیں لیکن یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ تم نے دلوں کے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

فاتح ہو۔غریبوں کا حق دلوانے اور ظلم کو روکنے کے لیے رابعہ بنت کعب قزداری اپنے تن من دھن کی بازی لگانے کو تیار ہے۔(۱۴)

"می سوزم" بلخ وخضدار کی ایک ایسی داستان ہے جس میں ریاستی جبر کے خلاف مزاحمت کا پورا ایک دور موجود ہے۔حارث کی مطلق العنانیت اس درجے پر ہے جہاں اس کے ظلم سے چھوٹے بچے اور کمسن لڑکیاں بھی محفوظ نہیں ہے۔بردہ فروشی عروج پر ہے۔قومی دولت پر حارث قابض ہو چکا ہے۔بلخ وخضدار میں سالم،میوہ خان،شاہ بانو،امام خاتون،اللہ وسائی کی حالت غلاموں سے بھی بدتر ہے۔پورا بلخ وخضدار ایسے سسکتا بلکتا نظر آتا ہے جیسے مرنے والا زندگی کو ترس رہا ہو۔انسانیت کو کچل دیا گیا ہے،علم وادب کی روایت ختم ہو چکی ہے۔بلخ کے عوام میوہ خان کے بھیڑ کی طرح ہانکے جا رہے ہیں۔اس بنا پر شہزادہ حارث تہذیبی روایات کو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر استعمال کرتا ہے جس کی بنا پر شہزادی رابعہ پر سنگین الزامات عائد کرتا ہے کہ ہماری عورتیں کے لیے شعر و شاعری منع ہے اور ان کے لیے صرف اپنے محرموں کی عزت کرنا ہے۔اور غلام کے لیے شعر کہنے کو بہانہ بنا کر سیاسی انتقام لیتا ہے۔اس موقعے پر بھی شہزادی رابعہ اور حارث کا مکالمہ مزاحمت اور بلخ وخضدار کی تاریخی سیاسی اور ثقافتی نفسیات کا آئینہ دار ہے۔شہزادی رابعہ کو خضدار کے عوام کی بہتری اور آزادی کے لیے مزاحمت کرنے پر سزا دی جاتی ہے۔شہزادی رابعہ موت قبول کرتی ہے لیکن ریاست کے جبر کی حمایت نہیں۔"می سوزم" میں جبر اور مزاحمت دونوں کی تاریخ کو بیان کیا ہے۔شہزادہ حارث اپنی بہن کے ہاتھوں کی نسیں کاٹ کر جابر حکمران کے اقتدار کی لعنت واضح کر دیتا ہے:

اماں! مجھے تمہارا چہرہ یاد نہیں لیکن ہر مشکل میں آپ میرے ہم قدم تھیں۔مجھے ہمت دے۔خدائے لم یزل! دنیا مجھے اچھا کہے یا برا مجھے پروا نہیں لیکن میری غلطیوں کو معاف کر دے، مجھے میری خطاؤں سمیت پسند فرما لے۔میرے اعمال کی سیاہ چادر میں سب داغ چھپا دے۔میرے سارے رشتے تم میں ضم ہو گئے ہیں مجھے خود میں ضم کر دے۔میں دوسری بار دیوار کا سہارا لے کر کھڑے ہونے میں کامیاب ہو گئی۔دیوار پر کہنیاں ٹکائے میں نے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو قلم اور بائیں ہاتھ کی کلائی کو دوات بنائے پوری طاقت سے حمام کی دیواروں پر لکھنا شروع کیا اور پھر لکھتے لکھتے ایک گہری نیند، پرسکون نیند جو مجھے ماں کی آغوش کی طرح سمیٹ کر سہلا کر سلا رہی تھی۔(۱۵)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

تاریخ ماضی کا ایسا ریکارڈ ہوتا ہے جس میں علم و ادب، قانون، سیاست، مذہب، فنون، افراد، سماج، ثقافت اور وہ سب کچھ ہوتا ہے جو ماضی میں ہو چکا ہے۔ مرد اور عورت کا مطالعہ تاریخ کی آنکھ سے کیا جائے تو یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑے گی کہ تاریخ میں عورت کے کردار کو تعصب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس تاریخ میں عورت نے مثبت رویوں کو جنم دیا ہے۔ جنگ سے گریز اور امن کے لیے مزاحمت کی ہے۔ جھانسی کی رانی، رضیہ سلطانہ، مادر ملت فاطمہ جناح اور فاطمہ صغریٰ اس کی تاریخی شہادتیں ہیں۔ "می سوزم" میں ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے بلوچستان کے خطے خضدار کی تاریخ کو ثقافتی رنگ میں بیان کیا ہے اور ان سب واقعات کی صورت گری کی ہے جو بلخ و خضدار کی تاریخ کا حصہ ہیں۔ تاریخ میں جب کبھی ضرورت پیش آئی عورت نے مزاحمت کا رستہ اپنایا۔ اس بنا پر مزاحمتی ادب عوام میں سیاسی، سماجی اور تاریخی شعور کا سبب بنا ہے۔ "می سوزم" اکیسویں صدی کا سوانحی مزاحمتی ناول ہے جس میں فارسی شاعر "رودکی" کی ہم عصر شاعرہ رابعہ خضدار کی تاریخی مزاحمت کو ایک قوت کے طور پر بیان کیا ہے۔ شہزادی رابعہ کی یہ مزاحمت شاہی تخت یا اقتدار کے لیے نہیں بلکہ محکوم، نادار، غلاموں کی آزادی، بے بسی، حقوق سے محرومی، مجبوری، جاہلانہ رسم و رواج اور ثقافت گھٹن کے خلاف ہے جہاں ثقافت کے اصولوں کا اطلاق صرف عورتوں پر ہوتا ہے۔ ثقافت کو بطور ہتھیار بنا کر عورتوں کو ایک مخصوص دائرے میں قید کرنے کی سعی ہوتی ہے۔ ایسی ثقافتی گھٹن کی حامل ریاست میں عورت مجبور، بے بس، فنونِ لطیفہ سے عاری، شاعری کی ممانعت اور ہر لحاظ سے عورت کو کمزور ثابت کرنا اہم ثقافتی ستون بنایا جاتا ہے۔ "می سوزم" میں ایسے ضابطہ حیات اور سماجی نظم و ضبط کے خلاف مزاحمت معنی خیز اور تعمیری ہے اور ثقافتی گھٹن کے خلاف مزاحمت کی بنا پر اپنے بھائی کے ہاتھوں قتل ہوتی ہیں۔ شہزادی رابعہ نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے معیار انسانیت کے اصولوں کی پاسداری کی ہے۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق نے موضوع اور واقعہ کی صحت کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے اور اپنے ناول کے پہلے تجربے میں مکمل کامیاب ہیں۔

حواشی

۱۔ فرخ ندیم، ''فکشن، کلامیہ اور ثقافتی مکانیت'' (لاہور: عکس پبلیکیشنز، ۲۰۱۸ء)، ص ۲۶۴
۲۔ ہنری سٹیل کومیجر (Henry Steele Commager)، ''مطالعۂ تاریخ''، ترجمہ مولانا غلام رسول مہر، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۲ء)، ص ۹
۳۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق، ''می سوزم''، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۱ء)، ص ۹
۴۔ آغا افتخار حسین، ''قوموں کی شکست و زوال کے اسباب کا مطالعہ''، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۴ء)، ص ۴۱
۵۔ ڈاکٹر مبارک علی، ''تاریخ کے بدلتے نظریات''، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۲ء)، ص ۲۲

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

۶۔ ایرک فرام(Eric Fromm)،''نیا انسان اور نیا سماج''(To Have Or To Be)، ترجمہ امجد علی بھٹی، (لاہور: بُک ہوم، ۲۰۰۷ء)، ص ۱۱۵
۷۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق، ''می سوزم''، ص ۶۴، ۶۵
۸۔ ایضاً، ص، ۱۲
۹۔ ڈاکٹر عارفہ فرید، ''تہذیب کے اس پار: عصرِ حاضر کے مسائل اور اسلامی فکر مغربی فکر کے تناظر میں'' (کراچی: کراچی یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۰ء)، ص ۸۷
۱۰۔ ڈاکٹر فاطمہ حسن، ''فیمنزم اور ہم''، (کراچی: وعدہ کتاب گھر، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۲
۱۱۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق، ''می سوزم''، ص ۲۸
۱۲۔ ایضاً، ص ۱۳۵
۱۳۔ ڈاکٹر ارتضیٰ کریم، ''اُردو ادب: احتجاج اور مزاحمت کے رویے''، (دہلی: اُردو اکادمی، ۲۰۰۴ء)، ص ۲۷۹
۱۴۔ ڈاکٹر حمیرا اشفاق، ''می سوزم''، ص ۱۲۸
۱۵۔ ایضاً، ص ۲۰۷

مآخذ

۱۔ اشفاق، حمیرا، ڈاکٹر، ''می سوزم''، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۱ء
۲۔ حسین، آغا افتخار، ''قوموں کی شکست و زوال کے اسباب کا مطالعہ''، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۴ء
۳۔ حسن، فاطمہ، ڈاکٹر، ''فیمنزم اور ہم''، کراچی: وعدہ کتاب گھر، ۲۰۰۵ء
۴۔ علی، مبارک، ڈاکٹر، ''تاریخ کے بدلتے نظریات''، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۲ء
۵۔ فرام، ایرک، (Eric Fromm)، ''نیا انسان اور نیا سماج''(To Have Or To Be)، مترجم: امجد علی بھٹی، لاہور: بُک ہوم، ۲۰۰۷ء
۶۔ فرید، عارفہ، ڈاکٹر، ''تہذیب کے اس پار: عصر حاضر کے مسائل اور اسلامی فکر مغربی فکر کے تناظر میں''، کراچی: کراچی یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۰ء
۷۔ کریم، ارتضیٰ، ڈاکٹر، ''اُردو ادب: احتجاج اور مزاحمت کے رویے''، دہلی: اُردو اکادمی، ۲۰۰۴ء
۸۔ کومیجر، ہنری سٹیل، (Henry Steele Commager)، ''مطالعۂ تاریخ''، ترجمہ مولانا غلام رسول مہر، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۲ء
۹۔ ندیم، فرخ، ''فکشن، کلامیہ اور ثقافتی مکانیت''، لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء